© rasailojaraid.com

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی اصول

گوہر رحمٰن

یہ حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ فقہاء اسلام اور ائمہ مجتہدین نے معلمین دین کی حیثیت سے امت مسلمہ کے لیے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے پیش آمدہ مسائل کے احکام معلوم کرنے کے لیے علمی بحث و تحقیق کی اور اجتہاد و استنباط کے ذریعے مسائل و نوازل کے احکام دریافت کیے۔ ان کے اس عمل کی بنا پر پوری امت ان کی ممنون ہے اور اللہ کے ہاں ان کے لیے ان شاء اللہ اجر غیر ممنون ہے، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کی علمی و فقہی تحقیقات کو مستقل مذاہب کی نہیں، بلکہ قرآن و سنت کی تعبیرات و تشریحات کی حیثیت حاصل ہے۔ ان فقہاء کا فقہی اختلاف امت کی وحدت کے منافی نہیں ہے، بلکہ شریعت کے محاسن میں سے ہے۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں: فاما الاختلاف فی الفروع فھو من محاسن الشریعۃ ا(ائمہ کا فروعی اختلاف شریعت کی خوبیوں میں شامل ہے)۔

چنانچہ مجتہدین کی اجتہادی آراء کو نہ تو متوازی مذاہب کی حیثیت دینی چاہیے اور نہ انہیں فرقہ بندی اور عصبیت کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ بلکہ ان کے اختلاف کو محض اختلاف تعبیر سمجھنا چاہیے۔ تمام فقہاء اسلام اور ائمہ مجتہدین واجب الاحترام ہیں اور ان کے احوال و آثار کا تذکرہ موجب برکت و سعادت ہے۔

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ کی حقیقت

امام ابوحنیفہؒ نہ صرف ایک فقیہ تھے، بلکہ امام الفقہاء تھے۔ ہر فقیہ کے کچھ اصول ہیں جنہیں اپنی تحقیق کے دوران میں مدنظر رکھتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے بھی کچھ فقہی اور اجتہادی اصول ہیں جن کو وہ تدوین فقہ کے دوران میں مدنظر رکھتے تھے، لیکن ان اصولوں کو بیان کرنے سے قبل یہ مناسب ہوگا کہ پہلے فقہ کی حقیقت واضح کر دی جائے۔

لفظ فقہ کے لغوی معنی الشق والفتح یعنی پھاڑنا اور کھولنا ہیں۔ کسی چیز کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس سے پردہ اٹھایا جائے اور صحیح و غلط کو الگ الگ کر دیا جائے۔ اس مناسبت سے لفظ فقہ علم و فہم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لیکن اہل اسلام کے عرف میں فقہ علم دین اور علم شریعت کو کہتے ہیں۔ علامہ جاراللہ زمخشریؒ (متوفی ۵۸۳ھ) لکھتے ہیں:

> **والفقه حقيقته الشق والفتح ، والفقيه الذى يشق الاحكام ويفتش عن حقائقها ويفتح ما اسغلق منها.**[۲] (فقہ کے حقیقی معنی ہیں پھاڑنا اور کھولنا۔ فقیہ وہ ہے جو احکام کا تجزیہ و تحقیق کرتا ہے، ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے اور مبہم و مغلق احکام کو کھول کر واضح کرتا ہے)۔

علامہ جوہریؒ (متوفی ۳۹۳ھ) کہتے ہیں: **الفقه الفهم ثم خص به علم الشريعة**[۳] (فقہ کے معنی ہیں فہم، مگر بعد میں یہ لفظ علم شریعت کے لیے مخصوص ہوگیا ہے)۔

ابن منظور افریقیؒ (متوفی ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں: **الفقه العلم بالشئ والفهم له وغلب على علم الدين**[۴] (فقہ کسی چیز کے جاننے اور سمجھنے کو کہتے ہیں، لیکن [بعد میں] اس کا اکثر استعمال علم دین کے لیے ہوتا ہے)۔

مذکورہ لغوی معنی کی مناسبت سے فقہ کے اصطلاحی معنی ہیں: دین اسلام کا گہرا اور تحقیقی علم اور حق و باطل کی معرفت اور تمیز۔ امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تعریف اس طرح نقل ہوئی ہے: **الفقه**

☆ الاجتهاد لا ينقض بالاجتهاد ☆ اجتہاد اجتہاد کے ساتھ باطل نہیں ہوگا ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معرفة النفس ما لها و ما عليها ۵ (فقہ نفس کو نفع پہنچانے والی اور نقصان پہنچانے والی چیزوں کی پہچان کا نام ہے)۔

یعنی زندگی کے ہر شعبے میں حق و باطل، حلال و حرام اور مفید و مضر کے درمیان فرق و امتیاز کرنے کی صلاحیت کا نام فقاہت ہے۔ ائمہ لغت نے اسی عموم کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل اسلام کے عرف میں پورے دین اور پوری شریعت کے علم کو فقہ کہا جاتا ہے، کیونکہ دین اصول و فروع دونوں پر مشتمل ہے، صرف فرعی اور عملی احکام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ قرآن کریم میں پورے دین کے علم کو فقہ کہا گیا ہے مثلاً: **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين** ۶ (پس کیوں نہیں نکلتا جہاد کے لیے ان کی ہر جماعت میں سے ایک گروہ تاکہ دوسرے لوگ دین کا گہرا علم حاصل کریں)۔

اسی طرح حدیث مرفوع میں آیا ہے: **من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين** ۷ (اللہ جس کے بارے میں خیر کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین میں فقاہت دے دیتا ہے)۔

دوسری حدیث میں آیا ہے:

> **ان رجالا يأتونكم من الارض يتفقهون في الدين فاذا اتوكم فاستوصوا بهم خيرا** ۸ (کچھ لوگ تمہارے پاس مختلف علاقوں سے تفقہ فی الدین کے لیے آئیں گے، جب وہ آئیں تو تمہیں میری نصیحت ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا)۔

قرآن و سنت کی ان نصوص میں فقہ کی نسبت پورے دین کی طرف کی گئی ہے، صرف عملی اور فرعی احکام کے ساتھ فقہ کو مخصوص نہیں کیا گیا۔ امام ابو حنیفہ کی درج بالا تعریف انہی نصوص سے ماخوذ ہے۔

متقدمین اور سلف صالحین نے فقہ کی تعریف عمومی الفاظ میں کی ہے اور اسے علم الفروع کے ساتھ مخصوص نہیں کیا، لیکن متاخرین نے فقہ کو عملی احکام کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور وہ اس کی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ : امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعریف اس طرح کرتے ہیں: **العلم بالاحکام الشرعیة العملیة من ادلتها التفصیلیة** ۹ (فقہ شریعت کے عملی احکام کا علم ہے جو تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہو)۔

اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جب علم الکلام کے نام سے اصول وعقائد کی تدوین الگ ہوئی اور اصلاح قلوب وتزکیہ نفوس کے آداب واحکام علم تصوف کے نام سے الگ مدون ہوئے تو عملی اور فرعی احکام کو فقہ کا نام دے دیا گیا۔ اس طرح متاخرین کی اصطلاح میں فقہ علم الفروع کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گیا۔ فخر الاسلام بزدویؒ (متوفی ۴۹۳ھ) نے فقہ کے شرعی مفہوم میں تین اجزاء کو شامل کیا ہے:

> **هو الفقه وهو ثلاثه اقسام: علم المشروع بنفسه، القسم الثانی: اتقان المعرفة به وهو معرفة النصوص بمعانیها وضبط الاصول بفروعها، والقسم الثالث: هو العمل به حتی لایصیر نفس العلم مقصوداً، فاذا تمت هذه الاوجه کان فقیها.** ۱۰ (علم الفروع فقہ سے عبارت ہے۔ فقہ کے تین اجزاء ہیں ایک نفس احکام کا علم، دوسرا اس علم کی پختگی یعنی نصوص کے معانی وعلل کی معرفت اور اصول کا فروع پر انطباق اور تیسرا جزء احکام پر عمل کرنا ہے، تاکہ علم بذات خود مقصود نہ بن جائے، جب یہ تینوں اجزاء مکمل ہو جائیں تو انسان فقیہ بن جاتا ہے)۔

مسلم الثبوت کے مصنف محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) نے بزدوی سے اختلاف کرتے ہوئے فقہ کے مفہوم میں عمل کو شامل کرنے پر اعتراض کیا تھا، لیکن مولانا عبد العلی لکھنویؒ (م ۱۲۲۵ھ) نے بزدویؒ کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اصل بحث یہ نہیں کہ فقہ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں عمل شامل ہے یا نہیں، بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ جس فقہ کی شارع اور صحابہ وتابعین نے مدح وتعریف کی ہے، وہ کیا چیز ہے؟ اور اس اعتبار سے بزدویؒ کی بات درست ہے، کیونکہ فاسق مدح وتعریف کا مستحق نہیں ہے اور فاسق کو غیر فقیہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ حجاج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن یوسف کو کسی نے بھی فقہاء میں شمار نہیں کیا، حالانکہ وہ احکام کو دلائل کے ساتھ جانتا تھا۱۱۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ دین کا وسیع اور تحقیقی علم رکھنے کے باوجود فسق و فجور میں مبتلا ہوں، وہ فقہاء کہلانے کے مستحق نہیں ہیں، بلکہ ایسے لوگوں کو قرآن میں سفہاء کا نام دیا گیا ہے، کیونکہ علم بلاعمل فقاہت نہیں، بلکہ سفاہت و حماقت ہے، مزید برآں اسلامی تعلیمات کی رو سے علم اور فقہ بذات خود مقصود نہیں ہے۔

فقہ حنفی کے بنیادی مآخذ و مصادر

دین اسلام کا ماخذ و منبع وحی خداوندی ہے جو قرآن و سنت میں منحصر ہے۔ تمام مجتہدین و فقہاء کی فقہ کا مآخذ و مصدر قرآن و سنت کی نصوص اور ان نصوص سے ماخوذ اصول ہیں۔ چنانچہ فقہاء کے درمیان جو بھی اختلافات ہیں، وہ نصوص کے فہم اور توجیہ و تطبیق سے تعلق رکھتے ہیں، یا پھر بعض ضمنی اور جزئی امور سے متعلق ہیں۔ ذیل کی سطور میں امام ابوحنیفہ کے فقہی اصول ان کے اپنے اقوال کی روشنی میں مستند کتابوں سے نقل کیے جائیں گے اور ان کے فقہی اصولوں کی تشریح کی جائے گی۔

خطیب بغدادیؒ (متوفی ۴۶۳ھ) نے سند کے ساتھ امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

آخذ بکتاب الله فما لم اجد فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فان لم اجد فی کتاب الله ولا سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم آخذ بقول اصحابه، آخذ بقول من شئت منهم وادع قول من شئت ۱۲ (میں سب سے پہلے کتاب اللہ کو لیتا ہوں۔ اگر اس میں حکم نہ ملے تو سنت رسول کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اگر دونوں ماخذوں میں حکم نہیں ملتا تو صحابہ کرامؓ کے اقوال میں حکم تلاش کرتا ہوں۔ پھر ان میں سے ترجیحی طور پر کسی ایک کا قول اختیار کر لیتا ہوں)۔

عبدالکریم بن ہلال کہتے ہیں:

☆ لا اجتهاد عند ظهور النص ☆ نص کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمعت ابا حنيفة يقول اذا وجدت الامر فى كتاب الله او فى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذت به ولم اصرف عنه واذا اختلفت الصحابة اخترت من قولهم واذا جاء من بعدهم اخذت وتركت ۱۳ (میں نے ابوحنیفہ سے خود سنا ہے فرماتے تھے: میں جب کوئی حکم اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت میں پالیتا ہوں تو اسی پر عمل کرتا ہوں اور اس سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتا۔ جب صحابہؓ کے درمیان آراء کا اختلاف ہو تو میں ان کے اقوال میں سے کسی ایک کو پسند کر کے اختیار کر لیتا ہوں، مگر جب بعد کے لوگوں سے کوئی بات ہمارے پاس آ جائے تو میں اسے کبھی لے لیتا ہوں اور کبھی چھوڑ دیتا ہوں)۔

زفر بن ہزیل (متوفی ۱۵۸ھ) کہتے ہیں:

لا تلتفتوا الى كلام المخالفين فان ابا حنيفة واصحابنا لم يقولوا فى مسئلة الا من الكتاب والسنة والاقاويل الصحيحة ثم يقيسون بعد عليها ۱۴ (مخالفین کی باتوں پر توجہ نہ دو! ابوحنیفہؒ اور ہمارے دوسرے اصحاب کسی بھی مسئلے میں کوئی بات نہیں کرتے تھے، مگر قرآن و سنت اور صحابہؓ کے صحیح اقوال کے مطابق کرتے تھے اور پھر ان پر قیاس کرتے تھے)۔

حسن بن زیادؒ (متوفی ۲۰۴ھ) کا قول ہے:

كان ابو حنيفه يروي اربعة آلاف حديث، الفين لحماد والفين لسائر المشيخة ۱۵ (امام ابوحنیفہؒ چار ہزار احادیث کے راوی تھے۔ دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی اساتذہ سے)۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے ان مستند اقوال سے ان کے جو فقہی اصول و مصادر ثابت ہوئے، ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانون شریعت ہی کا دوسرا نام فقہ اسلامی ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب اللہ

قرآن کریم تو تمام اصول وماخذ کا اصل الاصول اور مصدر المصادر ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

"ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمة وبشری للمؤمنین" [16] (ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے تم پر کتاب جو دین کی ہر بات بیان کرتی ہے اور ہدایت و رحمت ہے اور جو مسلمانوں کے لیے بشارت ہے)۔

قاضی بیضاوی (متوفی ۹۷۱ھ) کہتے ہیں:

بیانا بلیغا من امور الدین علی التفصیل او الاجمال بالاحالة الی السنة او القیاس [17] (قرآن دینی امور میں سے ہر چیز کا پورا بیان ہے تفصیلاً یا اجمالاً یا سنت اور قیاس کے حوالے کے ذریعے)۔

یعنی جو بات حدیث رسول میں بیان ہوئی ہو یا قیاس واجتہاد کے ذریعے معلوم کی گئی ہو، وہ بھی قرآن کا بیان ہے۔ کیونکہ قرآن میں اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے اور اجتہاد و قیاس کی اجازت دی گئی ہے۔

امام جصاص حنفی (متوفی ۳۷۰ھ) نے قرآن کے تبیان ہونے کی وضاحت اس طرح کی ہے:

وما حصل علیه الاجماع فمصدره ایضا عن الکتاب لان الکتاب قد دل علی صحة حجیة الاجماع وانھم لایجتمعون علی الضلال، وما اوجبه القیاس واجتھاد الراي وسائر ضروب الاستدلال من الاستحسان و قبول خبر الواحد جمیع ذالک من تبیان الکتاب؛

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لانہ قد دل علی ذلک اجمع ، فما من حکم من احکام الدین الا وفی الکتاب تبیانہ من الوجوہ التی ذکرنا[18] (جس حکم پر اجماع ہو چکا ہو اس کا ماخذ و مصدر بھی قرآن ہے، کیونکہ قرآن اس کے حجت ہونے پر دلالت کرتا ہے اور مسلمان سب گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے۔ اور جو احکام قیاس و اجتہاد اور استدلال کے باقی اقسام مثلاً استحسان اور خبر واحد سے ثابت ہوتے ہوں، وہ سب کے سب بھی قرآن ہی کا بیان ہے۔ پس دین کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو مذکور طریقوں سے قرآن نے بیان نہ کیا ہو)۔

امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) قرآن کی جامعیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فلیست تنزل باحد من اهل دین الله نازلة الا وفی کتاب الله الدلیل علی سبیل الهدیٰ فیها (اہل دین کو جو مسئلہ بھی درپیش ہو، اس کے بارے میں اللہ کی کتاب میں رہنمائی موجود ہے)۔

اس بات کا تجزیہ کرتے ہوئے امام شافعی نے احکام کی درج ذیل صورتیں بیان کی ہیں:

۱۔ بعض احکام قرآن کریم میں تفصیل وصراحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

۲۔ بعض احکام قرآن میں ذکر ہوئے ہیں، لیکن ان کی تفصیلات اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بیان کروائی ہیں۔

۳۔ بعض احکام کا ذکر قرآن میں نہیں، مگر وہ اللہ کے رسول نے نافذ کیے ہیں اور اللہ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض قرار دی ہے۔

۴۔ بعض احکام وہ ہیں جو اجتہاد کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں اور اللہ نے مجتہدین پر اجتہاد فرض کر دیا ہے[19]۔

اس کے بعد انہوں نے قرآنی احکام کی مذکورہ اقسام اربعہ کی مثالیں بیان کی ہیں۔

قرآن کریم سے اخذ احکام اور استدلال کے اصول کی تفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی : امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان ہوئی ہیں۔ اس ضمن میں ایک جامع قاعدہ یہ ہے کہ قرآن کی جس تعبیر و تشریح پر صحابہؓ کا اجماع ہو اور وہ اجماعی تعبیرات امت مسلمہ میں قرناً بعد قرنٍ چلی آ رہی ہو، اس کے خلاف تعبیر و تاویل کرنا تفسیر نہیں، بلکہ تحریف ہوگی۔ اِس کے برعکس جس آیت کی تعبیر و تاویل میں دور صحابہؓ سے اختلاف چلا آ رہا ہو، اس میں ہر مجتہد کو حق حاصل ہے کہ وہ جس تاویل کو راجح سمجھے، اختیار کرے، بشرطیکہ وہ تاویل و توجیہ صحیح الاسناد اور صریح الدلالت حدیث رسول کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ جو تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، وہ وحی پر مبنی ہوتی ہے اور وحی جلی و خفی دونوں کے خلاف کسی کا قول قبول نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث رسول

حدیث رسول کا حجت شرعی اور ماخذ دین ہونا قرآن کی آیات سے ثابت ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور یہ شرط نہیں لگائی گئی کہ رسول کی صرف اسی بات کو مانو جو قرآن میں مذکور ہو، بلکہ غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح قضاء رسول و امر رسول کو تسلیم کرنا تقاضائے ایمان اور اس کی خلاف ورزی کو موجب عذاب قرار دیا گیا ہے چاہے وہ قضاء و امر قرآن میں ہو یا مذکور نہ ہو۔ اس لیے تشریح احکام اور تنفیذ دین کے بارے میں اللہ کا رسول جو کہتا ہے، کرتا ہے یا جسے برقرار رکھتا ہے، وہ سب کچھ وحی ہوتا ہے اور کتاب منزل کی تعلیم و تبیین اللہ کے نبی کا فرض منصبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم اللہ اور رسولؐ سے آگے نہ بڑھو، یعنی قرآن و سنت سے اپنی رائے یا کسی اور کی رائے کو آگے نہ کرو۔

باقی ائمہ کی طرح امام ابوحنیفہؒ بھی صحیح حدیث کے مقابلے میں نہ اپنی رائے کو ترجیح دیتے تھے، اور نہ کسی اور کی رائے پر توجہ دیتے تھے۔ ان کے جو اقوال مستند کتابوں کے حوالوں کے ساتھ پہلے نقل ہوئے ہیں، ان میں کہیں یہ شرط نہیں ملتی کہ حدیث متواتر یا مشہور ہو، اور نہ یہ شرط ہے کہ خبر

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واحد کا راوی فقہ واجتہاد میں معروف ہو، اسی طرح یہ قید بھی امام صاحب کے اپنے اقوال میں کہیں نظر نہیں آتی کہ خبر واحد کا راوی اگر فقیہ و مجتہد نہ ہو تو وہ اسی وقت حجت بن سکتی ہے جب قیاس کے مطابق ہو، بلکہ اس کے برعکس ان اقوال میں بلاشرط وقید یہ کہا گیا ہے کہ جو بات رسول اللہ نے کہی ہے، وہ انہیں بسر وچشم قبول ہے، اور یہ کہ وہ رائے پر فتویٰ نہیں دیتے، بلکہ حدیث پر فتویٰ دیتے ہیں۔

کیا قیاس پر خبر واحد کی ترجیح کے لیے اس کے راوی کا فقیہ ہونا شرط ہے؟

فخر الاسلام بزدویؒ (متوفی ۴۸۲ھ) نے یہ لکھا ہے کہ جو صحابی فقہ واجتہاد میں معروف نہ ہو، اس کی روایت کی قیاس کے ساتھ اگر مطابقت و موافقت ممکن نہ ہو اور قیاس کا باب بالکل بند ہو گیا ہو تو اس ضرورت کی بنا پر اسے ترک کر دیا جائے گا[۲۰]۔ یہ بات نہ تو امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے اور نہ اس پر احناف کا اتفاق ہے۔ یہ عیسیٰ بن ابان (متوفی ۲۲۱ھ) کی رائے ہے جسے قاضی ابوزید دبوسی (متوفی ۴۳۰ھ) اور بزدویؒ نے اختیار کیا ہے اور متاخرین نے ان کی متابعت کی ہے، مگر شیخ ابوالحسن کرخیؒ (متوفی ۳۴۰ھ) اور اکثر علماء نے راوی کی فقاہت واجتہاد کو شرط قرار نہیں دیا اور نہ ان کے نزدیک خبر واحد کی قیاس کے ساتھ مطابقت ضروری ہے۔

امام عبدالعزیز بخاریؒ (متوفی ۷۳۰ھ) شرح اصول بزدوی میں لکھتے ہیں:

واعلم ان ما ذکرنا من اشتراط فقه الراوی لتقدیم خبره علی القیاس مذهب عیسی بن ابان و اختاره القاضی الامام ابو زید الدبوسی و تابعه اکثر المتاخرین، فاما عند الشیخ ابي الحسن الکرخي و من تابعه من اصحابنا فلیس فقه الراوی بشرط لتقدیم خبره علی القیاس بل یقبل خبر کل عدل ضابط اذا لم یکن مخالفا للکتاب والسنة المشهورة ویقدم علی القیاس . قال ابو الیسر والیه مال اکثر

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العلماء ---وقد ثبت عن ابي حنيفة انه قال: ماجاء نا عن الله وعن رسوله فعلى الراس والعين، ولم ينقل عن احد من السلف اشتراط الفقه فى الراوى فثبت ان هذا القول مستحدث [۲۱] (جان لو! کہ ہم نے جو یہ کہا کہ خبر واحد کے راوی کی فقاہت اس کی روایت کو قیاس پر مقدم کرنے کے لیے شرط ہے تو یہ عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے جسے قاضی ابوزید دبوسیؒ نے اختیار کیا ہے اور اکثر متاخرین نے اس کی متابعت کی ہے، مگر شیخ ابوالحسن کرخیؒ اور ہمارے اصحاب میں سے اس کی متابعت کرنے والوں کے نزدیک خبر واحد کی قیاس پر تقدیم کے لیے راوی کا فقیہ ہونا شرط نہیں، بلکہ ہر عادل اور ضابط راوی کی خبر واحد قیاس پر مقدم ہے، جبکہ وہ قرآن اور صحیح و مشہور حدیث کے خلاف نہ ہو۔فخر الاسلام بزدوی کے بھائی صدر الاسلام ابوالیسر بزدوی [متوفی ۴۹۳ھ] نے فرمایا ہے کہ اکثر علماء کا میلان اسی طرف ہے---ابوحنیفہؒ سے یہ قول ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ و رسول کی جو بات ہم تک پہنچ جائے، وہ ہمیں بسر و چشم قبول ہے۔سلف میں کسی سے یہ منقول نہیں ہے کہ خبر واحد کے قیاس پر مقدم ہونے کے لیے اس کے راوی کا فقیہ ہونا شرط ہے۔پس ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک نیا قول ہے یعنی بہت بعد میں وضع کیا گیا ہے)۔

ابن امیر الحاج حنفی نے بھی تحریر الاصول کی شرح التقریر والتحبیر میں امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک نقل کیا ہے کہ خبر واحد کو قیاس پر مطلقاً ترجیح حاصل ہے، خواہ اس کا راوی فقیہ ہو یا غیر فقیہ، اور خواہ خبر واحد قیاس کے مطابق ہو یا مطابق نہ ہو[۲۲]۔اسی طرح محب اللہ بہاری نے بھی خبر واحد کے قیاس پر مقدم ہونے کے لیے اس کے راوی کا فقیہ ہونا شرط قرار نہیں دیا[۲۳]۔

تعارض کے وقت ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینے کے لیے تو راوی کی فقاہت کو وجوہ ترجیح میں سے ایک وجہ ترجیح تسلیم کیا گیا ہے، مگر قیاس پر خبر واحد کی تقدیم و ترجیح کے لیے اس شرط کا ذکر متقدمین میں سے کسی نے نہیں کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خبر واحد سے قرآن کے عام اور مطلق حکم کی تخصیص وتقیید

حنفی ائمہ نے اصول فقہ کی کتابوں میں ایک قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ قرآن کے مطلق یا عام حکم پر خبر واحد کے ذریعے کوئی قید لگانا یا تخصیص کرنا جائز نہیں، کیونکہ قید لگانے اور تخصیص کرنے سے عام اور مطلق کی بعض جزئیات ختم ہو جاتی ہیں۔ قرآن کا کوئی حکم خبر واحد کے ذریعے منسوخ نہیں ہوسکتا، کیونکہ خبر واحد اگرچہ حجت ہے، مگر راویوں کی قلت کی وجہ سے اس کا ثبوت ظنی ہے اور قرآن کریم متواتر ہونے کی بنا پر حجت قطعیہ ہے، اور ظنی دلیل قطعی دلیل سے ثابت شدہ حکم کی ناسخ نہیں بن سکتی۔ اس قاعدے پر سخت اعتراضات ہوئے ہیں، لیکن اس بارے میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ قاعدہ امام ابوحنیفہؒ سے صراحۃً ثابت نہیں ہے۔ دوسری بات وہ ہے جو علامہ انور شاہ کشمیریؒ (متوفی ۱۳۵۲ھ) نے کی ہے، جس کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ:

> بعض اعتراضات سوء تعبیر اور سوء فہم پر مبنی ہوتے ہیں، اس لیے میں اصولیین کے کلام کی تعبیر اس طرح کرتا ہوں کہ خبر واحد کے ذریعے کسی قید کا اضافہ جائز ہے مگر ظنیت کے درجے میں۔ یعنی جو چیز قرآن سے ثابت ہو وہ رکن یا شرط یعنی فرض ہوتی ہے اور جو چیز خبر واحد سے ثابت ہو، وہ واجب ہوتی ہے یا مستحب۔ میری اس بات سے اصولیین کا قاعدہ تبدیل نہیں ہوتا، بلکہ صرف اس کی تعبیر بدل جاتی ہے۔ ان کے نزدیک رکنیت اور شرطیت کے درجے کے اضافے کو تو اضافہ کہا جاتا ہے، مگر وجوب یا استحباب کے درجے کی زیادت کو زیادت نہیں کہا جاتا۔ ان کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن پر رکنیت اور شرطیت کے درجے کی زیادتی جائز نہیں ہے اور میرے قول کا مطلب یہ ہے کہ خبر واحد کے ذریعے وجوب کے مرتبے کی زیادتی جائز ہے، لہٰذا میرے اور ان کے درمیان حقیقی اختلاف نہیں ہے، بلکہ صرف

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعبیر کا اختلاف ہے۔ اصولیین کی تعبیر سے خبر واحد کا مرتبہ ہلکا سا محسوس ہوتا ہے اور میری تعبیر سے خبر واحد کی اہمیت ابتداء ہی سے معلوم ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خبر واحد ہمارے نزدیک بھی اسی طرح واجب العمل ہے جس طرح کہ شافعیہ کے نزدیک واجب العمل ہے۔ میں نے یہ تعبیر المنار اور ہدایہ کے کلام سے اخذ کی ہے"[۲۴]۔

شاہ صاحب نے یہ تعبیر علامہ عبداللہ بن احمد نسفی (متوفی ۷۱۰ھ) کی کتاب "المنار" کی حسب ذیل عبارت اخذ کی ہے:

فلایجوز الحاق التعدیل بامر الرکوع والسجود علی سبیل الفرض وبطل شرط الولاء والترتیب والتسمیة والنیة فی آیة الوضوء، والطھارة فی آیة الطواف[۲۵] (رکوع وسجود کے حکم میں تعدیل ارکان کو فرض کے درجے میں شامل کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح آیت الوضوء میں اعضاء کو پے در پے دھونے، ترتیب کے ساتھ دھونے، آغاز میں بسم اللہ پڑھنے اور نیت کرنے کو اور آیت طواف میں طہارت کو شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے)

علی سبیل الفرض کے الفاظ سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ خبر واحد کے ذریعے قرآنی حکم پر اضافہ فرضیت وشرطیت کے طور پر جائز نہیں ہے، مگر وجوب اور استحباب کے درجے میں جائز ہے۔ تعدیل ارکان سے مراد ہے رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں اطمینان کے ساتھ ٹھہرنا۔ احناف کے نزدیک یہ واجب ہے، مگر فرض اور شرط نہیں ہے، کیونکہ اس کا اثبات خبر واحد سے ہوا ہے۔ آیت قرآنی یا خبر متواتر سے نہیں ہوا۔ اسی طرح ولاء، ترتیب، تسمیہ اور نیت بھی خبر واحد سے ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ وضوء کے سنن میں شامل ہیں، فرائض وشرائط میں شامل نہیں ہیں۔ چھٹی مثال طواف کے لیے طہارت کی ہے۔ قرآن کریم میں طواف کے لیے طہارت کا حکم موجود نہیں ہے، مگر خبر واحد میں اس کے لیے طہارت کا حکم موجود ہے، پس طواف زیارت فرض اور رکن ہے اور

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے لیے طہارت واجب ہے۔ یہ چھ مثالیں تو المنار میں بیان ہوئی ہیں، ساتویں مثال الھدایہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے، کیونکہ یہ قرآن سے ثابت ہے، مگر فاتحہ اور اس پر کچھ زائد پڑھنا واجب ہے، جو خبر واحد سے ثابت ہے[۲۶]۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے عام حکم پر صحیح الاسناد خبر واحد صحیح الاسناد کے ذریعے کوئی قید لگانا یا اس میں تخصیص کرنا جائز ہے، مگر یہ قید و تخصیص ظنیت کے درجے میں ہوگی۔ حقیقت میں یہ قرآن کی تعبیر و تشریح ہے جو خبر واحد کے ذریعے کی گئی ہے، نسخ نہیں ہے۔

اجماع

اجماع کے معنی ہیں ''امت کے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی امر پر متفق ہو جانا''۔ یہ اہل سنت کے تمام ائمہ کے نزدیک شرعی حجت اور ماخذ احکام ہے، اس کا حجت ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اس ضمن میں حضرت ابوبکرؓ کا طرز عمل یہ تھا کہ: فیصلہ طلب معاملے میں اہل علم کا جس بات پر اجماع ہو جاتا، تو وہ اسی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے[۲۷]۔

حضرت عمرؓ نے کوفہ کے قاضی شریحؒ کو لکھا تھا:

> **فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ ولم یکن فیه سنة من رسول الله فانظر ما اجتمع علیه الناس فخذ به** [۲۸] (اگر تیرے پاس ایسا معاملہ آجائے جس کا حکم قرآن میں مذکور نہ ہو اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت بھی معلوم نہ ہو تو جس حکم پر لوگوں (یعنی اہل علم) نے اتفاق کر لیا ہو، اسے تلاش کر کے اسی کے مطابق فیصلہ کر لیا کرو)۔

حنفی اصول فقہ کے امام فخر الاسلام بزدویؒ فرماتے ہیں: اجماع سے ثابت شدہ حکم پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اس پر عمل کرنا بھی لازم ہے اور قطعی اجماع سے انکار کفر ہے[۲۹]۔

☆ الاجتهاد لا ینقض بالاجتهاد ☆ اجتہاد اجتہاد کے ساتھ باطل نہیں ہوگا ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام صاحب نہ صرف یہ کہ اجماع کو حجت اور ماخذ شریعت تسلیم کرتے تھے، بلکہ آپ کی فقہ کی تدوین اجتماعی بحث وتحقیق کے طریقے پر ہوتی تھی اور آپ انفرادی رائے پر اجتماعی اجتہاد کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ حضرت علیؓ کے ایک سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

شاوروا فیہ الفقہاء العابدین ولاتمضوا فیہ رای خاصۃ ۳۰ (ایسے معاملے میں جس کے متعلق قرآن وسنت میں کچھ معلوم نہ ہوسکا ہوتم عبادت گزار فقہاء سے مشورہ کرلیا کرواور کسی کی شخصی رائے پر نہ چلو)۔

اس ہدایت رسول کی پیروی کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگردوں اور ممتاز اہل علم کی ایک مجلس بنائی تھی جس میں بحث وتحقیق کے بعد حل طلب مسائل کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ موفق الدین مکیؒ لکھتے ہیں:

ابوحنیفہؒ نے اپنا فقہی مسلک اپنے اصحاب کے درمیان مشاورت کے ذریعے مدون کیا تھا۔ وہ اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتے تھے، بلکہ مجلس بحث وتحقیق میں کوئی مسئلہ پیش کرکے شرکاء مجلس کی آراء سنتے تھے اور اپنی رائے سناتے تھے۔ بعض اوقات یہ مباحثہ ومناظرہ ایک ماہ سے بھی زیادہ دنوں تک جاری رہتا تھا، یہاں تک کہ کسی رائے پر اتفاق ہوجاتا اور امام ابویوسف اسے قلم بند کرلیتے ۳۱۔

امام ابوحنیفہؒ کی قائم کردہ اس مجلس بحث وتحقیق کے ارکان کی تعداد ۴۰ بتائی جاتی ہے جن کے اسماء کو ترتیب وفات کے اعتبار سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ خاص مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ نے مختصر تعارف کے ساتھ مرتب کردیا ہے فجزاہ اللہ خیرا۔

اس مجلس تدوین فقہ کے ارکان میں سے ۳۶ کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی رائے یہ تھی:

هؤلاء ستة وثلاثون رجلا، منهم ثمانية وعشرون يصلحون للقضاء وستة يصلحون للفتوى واثنان ابو يوسف و زفر يصلحان لتاديب القضاة وارباب الفتوى ۳۲ (میرے یہ ۳۶ اصحاب ہیں جن میں سے ۲۸ قاضی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہوجاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بننے کے اہل ہیں، ۶ فتویٰ دینے کے اہل ہیں۔ابو یوسفؒ وزفرؒ قاضیوں اور مفتیوں کو تربیت دینے کی اہلیت رکھتے ہیں)۔

یہی اجتماعی اجتہاد اور شورائیت حنفی فقہ کی امتیازی صفت ہے جس کی وجہ سے امت کی اکثریت اس کا اتباع کرتی ہے۔مسائل کے حل کے لیے شورائیت واجتماعیت کا قرآن وسنت نے حکم دیا ہے، اور یہی خلفاء راشدینؓ، بالخصوص شیخین یعنی ابو بکرؓ وعمرؓ کی سنت تھی۔

اقوال صحابہؓ

اقوال صحابہؓ کے حجت ہونے میں مشائخ حنفیہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔اسی سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ کا اپنا قول ہے: **واذا جاء عن الصحابة تخيرنا** [۳۳] (جب ہمارے پاس صحابہ کے اقوال آجائیں تو ہم ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں گے)۔

قاضی ابو سعید البردعی (متوفی ۳۱۷ھ) نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور حنفی اصول فقہ میں ابو حنیفہ کا مسلک اسی طرح نقل ہوا ہے۔امام سرخسی (متوفی ۴۹۰ھ) لکھتے ہیں:

> **عن ابى سعيد البردعى انه كان يقول قول واحد من الصحابة مقدم على القياس يترك القياس بقوله وعلى هذا ادركنا مشائخنا** [۳۴] (ابو سعید البردعی کہا کرتے تھے کہ صحابی کا قول قیاس پر مقدم ہے اور اس کے مقابلے میں قیاس ترک کر دیا جاتا ہے، ہم نے اپنے مشائخ کو اسی رائے پر پایا ہے)۔

مشہور حنفی فقیہ ابوالحسن کرخی (متوفی ۳۴۰ھ) کے نزدیک اگرچہ صحابی کا قول قیاس پر مقدم نہیں ہے اور بعض حنفیہ نے ان سے اتفاق کیا ہے، لیکن خود امام ابو حنیفہ کا موقف یہ ہے کہ صحابی کا قول قیاس واجتہاد پر مقدم ہے۔امام سرخسیؒ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ابو سعید بردعی کا مسلک سب سے زیادہ درست ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا امکان واحتمال موجود ہے کہ صحابی نے جو بات کی ہے، وہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہ وسلم سے سنی ہو، کیونکہ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ ان میں سے جس کے پاس کوئی نص ہوتی، وہ کبھی تو اسے نقل کر دیتا اور کبھی نقل کیے بغیر اس کے مطابق فتویٰ دے دیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس بات میں رسول اللہ سے سماع کا احتمال ہو وہ محض رائے پر مقدم ہونی چاہیے۔ اس اعتبار سے مجتہد کی رائے پر صحابی کے قول کو ترجیح دینا خبر واحد کو قیاس پر مقدم کرنے کی طرح ہے، لیکن اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ بات صحابی کی اپنی رائے، غیر صحابہ کی رائے اور اجتہاد پر مبنی ہے تو پھر بھی صحابہ کی رائے غیر صحابہ کی رائے سے زیادہ قوی ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے مسائل ونوازل کے احکام بیان کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کا خود مشاہدہ کیا تھا اور ان حالات کو دیکھا تھا جن میں نصوص نازل ہوئی تھیں)۳۵۔

احناف اور شوافع کی کتابوں میں امام شافعی کا یہ مسلک نقل ہوا ہے کہ مجتہد، صحابی کے قول کو نظر انداز کر کے اپنے قیاس واجتہاد پر عمل کر سکتا ہے، لیکن امام شافعیؒ کی اپنی تصنیف الرسالہ میں ان کا قول اس طرح نقل ہوا ہے:

ولقد وجدنا اهل العلم ياخذون بقول احدهم مرة ويتركونه اخرى ويتفرقوا في بعض ما اخذوا به منهم ، قال فالى اى شي صرت من هذا؟ قلت: [الى] اتباع قول واحد اذا لم اجد كتابا ولا سنة ولا اجماعا ۳۶ (ہم نے اہل علم کو پایا ہے کہ وہ صحابی کے قول کو کبھی لے لیتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے اور بعض اقوال کے لینے نہ لینے میں ان کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ سائل نے پوچھا: آپ کا اپنا رجحان کس طرف ہے؟ میں نے کہا، میرا رجحان تو اس طرف ہے کہ میں جب کتاب وسنت اور اجماع میں کوئی حکم نہیں پاتا تو پھر صحابہ کے اقوال میں کسی ایک کے قول کی اتباع کرتا ہوں)۔

حافظ ابن القیمؒ کی تحقیق یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کے نزدیک صحابی کا قول اس وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حجت ہے، جب قرآن وسنت اور اجماع میں کوئی دلیل نہ ملتی ہو آپ فرماتے ہیں:

جمہور امت کی رائے میں صحابی کا قول حجت ہے۔ ابو حنیفہ سے تو صراحۃً منقول ہے۔ امام مالک کی کتاب موطا کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مسلک بھی یہی ہے، اسحٰق بن راہویہؒ اور ابو عبید قاسم بن سلامؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ امام احمدؒ سے بھی متعدد مقامات پر اسی طرح منقول ہے اور آپ کے اصحاب کی اکثریت نے بھی اسے اختیار کیا ہے، اور جدید وقدیم اقوال کے مطابق امام شافعیؒ سے مروی روایات میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن قیمؒ نے امام شافعیؒ کے اقوال نقل کیے ہیں ۳۷۔

امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ سے تو عدم حجیت کے اقوال بھی مروی ہیں، بلکہ شافعیہ کے ہاں عدم حجیت کا قول زیادہ متداول ہے، تاہم امام ابو حنیفہؒ سے مروی تمام روایات یہ واضح کرتی ہیں کہ آپ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد صحابی کے قول کو اپنے قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔

قیاس واجتہاد

قیاس کے لغوی معنی ہیں اندازہ کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں ''کسی علت مشترکہ کی بنا پر منصوص حکم کو غیر منصوص مسئلے پر جاری کرنا''۔ امام جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) نے قیاس کے حجت ہونے پر ۲۲ آیات، ۱۳۹ احادیث اور اجماع صحابہ کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ اس کے بعد عقلی دلائل بیان کیے ہیں اور پھر قیاس کے منکرین کے اعتراضات وشبہات کے جوابات دیے ہیں ۳۸۔

امام سرخسیؒ (متوفی ۴۹۰ھ) فرماتے ہیں:

مذهب الصحابة ومن بعدهم من التابعين والصالحين والماضين من ائمة الدين جواز القياس بالراي على الاصول التي تثبت احكامها

کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالنص لتعدية حكم النص الى الفروع جائز مستقيم يدان الله به، وهو مدرك من مدارك احكام الشرع ولكنه غير صالح لاثبات الحكم به ابتداء[۳۹] (صحابہؓ، تابعینؒ وصالحین اور ائمہ دین کا مسلک یہ ہے کہ رائے کے ذریعے ان اصول پر قیاس کرنا جن کے احکام نص سے ثابت ہوں تاکہ نص کا حکم فروع پر (غیر منصوص مسئلے پر) نافذ کر دیا جائے جائز ہے، جس کے ذریعے اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے اور یہ شرعی احکام کے مآخذ میں سے ایک ماخذ ہے، لیکن قیاس ورائے میں ابتداء حکم کے اثبات کی صلاحیت موجود نہیں ہے)۔

اجتہاد کے لغوی معنی ہیں: کسی چیز کی تلاش اور حصول کے لیے اپنی پوری قوت استعمال کرنا اور ہر ممکن کوشش کرنا۔ اس کی اصطلاحی تعریف ہے: ''غیر منصوص مسائل کے احکام معلوم کرنے کے لیے علمی تحقیق وکاوش کرنا۔''

یہ تعریف ''اجتہاد قیاسی'' کی ہے جو غیر منصوص مسائل کے احکام نصوص سے مستنبط کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، لیکن قاضی بیضاویؒ (متوفی ۶۹۱ھ) نے اجتہاد کی تعریف عام الفاظ میں کی ہے: هو استفراغ الجهد فی درک الاحکام الشرعية[۴۰] (شرعی احکام معلوم کرنے کے لیے پوری محنت وکوشش کرنا)۔

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد صرف غیر منصوص مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ قرآن وسنت کی تعبیر کرنے اور احکام کو حالات و واقعات پر منطبق کرنے کو بھی اجتہاد کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اختلافی تعبیرات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لیے بھی اجتہاد کیا جا سکتا ہے، مگر قرآن وسنت کی جس تعبیر پر صحابہ مجتہدین کا اجماع ہو چکا ہو، اس کے خلاف تعبیر کرنا اجتہاد نہیں ہے، بلکہ تحریف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ قیاس واجتہاد پر فتویٰ صرف اسی صورت میں دیتے تھے جب قرآن، سنت، اجماع اور قول صحابی سے کسی مسئلے کا حکم معلوم نہ ہو سکے، چنانچہ آپ کہتے ہیں:

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کی قسم! وہ شخص جھوٹ بولتا ہے اور ہم پر الزام لگاتا ہے جو کہتا ہے کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم سمجھتے ہیں، کیا نص کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت پڑ سکتی ہے؟ ہم تو شدید ضرورت کے بغیر قیاس بھی نہیں کرتے[۴۱]۔

موفق الدین مکیؒ نے زہیر بن معاویہ سے نقل کیا ہے کہ:

ایک روز ابو حنیفہؒ اور ابیض بن اغر کسی قیاسی مسئلے پر مباحثہ فرما رہے تھے کہ مسجد کے کونے سے ایک شخص نے جو میرے خیال میں مدینے کا رہنے والا تھا، بآواز بلند کہا: یہ کیا قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں؟ سب سے پہلے قیاس ابلیس نے کیا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا، تیری یہ بات بے محل اور بے موقع ہے۔ ابلیس نے قیاس کے ذریعے اللہ کا حکم رد کر دیا تھا اور ہم غیر منصوص مسئلے کو قرآن وسنت اور اجماع امت میں سے کسی اصل پر قیاس کرتے ہیں اور اتباع کے لیے اجتہاد کرتے ہیں تو ہمارے اور ابلیس کے قیاس کے درمیان کیا مناسبت ہے؟ یہ جواب سن کر اس شخص نے کہا، اللہ آپ کے دل کو نور سے بھر دے جس طرح کہ آپ نے میرے دل کو نور سے منور کر دیا ہے، یعنی شکوک کا ازالہ کر دیا ہے[۴۲]۔

قیاس کا رکن اصلی علت ہے، اور علت کے معنی ہیں وہ وصف جو حکمت و مصلحت پر مشتمل ہو، جس کی بنا پر اصل کا حکم فرع پر بھی جاری کیا جا سکتا ہو۔ علت اگر منصوص یا اجماعی نہ ہو بلکہ استنباطی ہو تو احناف کے نزدیک اس کے معتبر ہونے اور حکم کا مدار بننے کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک مناسبت اور دوسری تاثیر۔ مناسبت سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کو علت قرار دیا گیا ہو، اس کی حکم کے ساتھ معقول مناسبت ہو، اور تاثیر کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو علت بنایا گیا ہو، اس کا یا اس جیسی کسی اور علت کا کسی دوسرے مقام پر قرآن وسنت یا اجماع سے مؤثر ہونا ثابت ہو۔ یعنی صرف مناسبت کی بنا پر احناف کے نزدیک قیاس جائز نہیں ہے، بلکہ اس کی علت کا یا اس کی نظیر کا کسی نص یا اجماع سے مؤثر ہونا بھی ضروری ہے۔ احناف نے مؤثر ہونے کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ قیاس، نصوص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے قریب تر ہو جائے اور اس کا استعمال کم سے کم کیا جائے، مگر شوافع کی اکثریت قیاس کے لیے اخالہ کافی سمجھتے ہیں۔ اخالہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مجتہد کو کسی چیز کے علت ہونے پر اطمینان حاصل ہو جائے تو پھر دوسری جگہ اس کی تاثیر تلاش کرنا ضروری نہیں ہے۔

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟

مسائل ونوازل کا تغیر وتنوع ناگزیر ہے، اس لیے اجتہاد کا دروازہ کھلا رہنا بھی ناگزیر ہے۔ اجتہاد نبوت نہیں ہے، جس پر ختم نبوت کی طرح ختم اجتہاد کی مہر لگ چکی ہو اور نہ خاتم النبیین کی طرح امت میں کوئی خاتم المجتہدین ہے، جس پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہو۔ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

> اگر تم پوچھو کہ اب [۱۰۰۰ھ میں] یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ائمہ مجتہدین کے مقام تک پہنچ سکے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں ممکن ہے، کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس مقام تک پہنچنے کے امتناع پر کوئی کمزور دلیل بھی موجود نہیں ہے [۴۳]۔

برصغیر کے مشہور حنفی عالم مولانا عبدالعلی بحرالعلوم (متوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

> بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ علامہ نسفی کے بعد دنیا مجتہد سے خالی ہو گئی ہے، ان کی مراد مجتہد فی المذہب ہے، ورنہ اجتہاد مطلق تو ان کے نزدیک ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے امت پر انہی ائمہ اربعہ کی تقلید لازم کر دی ہے۔ یہ سب کچھ ان کا خیال محض ہے، جس پر کوئی شرعی دلیل یہ لوگ پیش نہیں کر سکتے، اور دلیل کے بغیر کسی کے ذاتی خیال کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ لوگ ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے تو خود بھی گمراہ ہو جائیں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔ یہ لوگ جانتے نہیں کہ اجتہاد کے بند ہونے کی خبر غیب کی خبر ہے جس کا علم اللہ

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود وترمذی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کو حاصل ہے[۴۴]۔

مولانا بحرالعلوم کی بات صحیح تو ہے، مگر تھوڑی سی تلخ اور غیر متوازن معلوم ہوتی ہے، کیونکہ عدم امتناع اور نفس امکان سے کسی چیز کا وقوع پذیر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس پہلو سے جب ہم غور کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ جواز اور امکان کے باوجود ائمہ اربعہ کے بعد ایسا مجتہد اب تک پیدا نہیں ہوا جس نے ان کے اصول اجتہاد سے بے نیاز ہو کر اجتہاد کیا ہو، البتہ ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد کی روشنی میں تفسیر آیات، تشریح احادیث، ترجیح فی الآراء اور مسائل جدیدہ کے حل کے لیے اجتہادی عمل ہر دور میں موجود رہا ہے اور جب تک اللہ چاہے موجود رہے گا۔ ظاہر ہے کہ نئے مسائل و نوازل کو نہ روکا جا سکتا ہے اور نہ حل کیے بغیر چھوڑا جا سکتا ہے۔ اگر بحث و تحقیق اور فقہ و اجتہاد کے دروازے پر تالے لگا دیے جائیں تو نئے مسائل کے شرعی احکام آخر کیسے معلوم کیے جائیں گے؟ علامہ شہرستانیؒ (متوفی ۵۴۸ھ) لکھتے ہیں:

> نعلم قطعا و یقینا ایضا انه لم یرد فی کل حادثة نص ولایتصور ذلک ایضا والنصوص اذا کانت متناهیة والوقائع غیر متناهیة وما لا یتناهی لایضبطه ما یتناهی علم قطعا ان الاجتهاد والقیاس واجب الاعتبار حتی یکون بصدد کل حادثة اجتهاد[۴۵] (ہم اس بات کو قطعی اور یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ہر واقعے کے بارے میں نص موجود نہیں ہے اور اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جب نصوص محدود ہیں اور واقعات و مسائل غیر محدود ہیں اور غیر محدود چیزوں کا احاطہ محدود چیزیں نہیں کر سکتیں تو اس سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد و قیاس کا اعتبار واجب ہے تاکہ ہر مسئلے کے لیے اجتہاد کیا جا سکے۔)

اسی دلیل کی بنا پر شہرستانیؒ نے آگے چل کر لکھا ہے کہ: ثم الاجتهاد من فروض الکفایات[۴۶]۔

ابو اسحٰق الشاطبیؒ (متوفی ۷۹۰ھ) نے بھی اجتہاد کے جاری رہنے کے لیے وہی دلائل دیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جو شہرستانی نے دیے ہیں ۴۷، لیکن اجتہاد کے لیے اہلیت اور اصول اجتہاد کی پابندی ضروری ہے۔ آج کل کے متجددین منصوص اور اجماعی احکام میں ترمیم و تحریف کو بھی اجتہاد کا نام دے دیتے ہیں، جس کی تردید علماء ربانیین کا دینی فریضہ ہے۔

حواشی

۱- ابن العربی، احکام القرآن، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ج ۱، ص ۳۸۲

۲- زمخشری، الفائق فی غریب الحدیث، بیروت ۱۹۷۹ء، ج ۳، ص ۱۳۴

۳- جوہری، الصحاح، طبع ۱۹۸۴ء، ج ۶، ص ۲۲۴۳

۴- ابن منظور افریقی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۳۷۴ھ، ج ۱۳، ص ۵۲۲

۵- صدر الشریعہ، تنقیح الاصول متن التوضیح، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ج ۱، ص ۱۶

۶- سورہ توبہ۔ ۱۲۲

۷- صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین الریاض، دار السلام۔ ۱۹۹۹ء، حدیث نمبر ۷۱

۸- جامع الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم، الریاض، دار السلام، ۱۹۹۹ء، حدیث نمبر ۲۶۵۰

۹- صدر الشریعہ، تنقیح الاصول متن التوضیح، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ج ۱، ص ۱۲

۱۰- الاصول للبزدوی برحاشیہ کشف الاسرار، صدف پبلشرز کراچی، ج ۱، ص ۱۲

۱۱- عبد العلی بحر العلوم، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، طبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۸ء، ص ۸

۱۲- خطیب، تاریخ بغداد، دار الکتاب العربی، بیروت، ج ۱۳، ص ۳۶۸

۱۳- موفق مکی، مناقب الامام الاعظم، طبع کوئٹہ ۱۴۰۷ھ، ج ۱، ص ۷۵

۱۴- موفق مکی، مناقب الامام الاعظم للمکی، ج ۱، ص ۸۳

۱۵- موفق مکی، مناقب الامام الاعظم للمکی، ج ۱، ص ۹۰

۱۶- سورۃ النمل: ۸۹

۱۷- انوار التنزیل و اسرار التاویل، طبع بیروت ۱۹۸۸ء، ج ۱، ص ۵۵۴۔

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی: امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸- الجصاص، احکام القرآن، طبع داراحیاء التراث الاسلامی، بیروت، ج۵، ص۱۰

۱۹- الشافعی، الرسالة، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۹۶۹ء، ص۱۵ تا ۲۵

۲۰- عبدالعزیز بخاری کشف الاسرار، صدف پبلشرز، کراچی، ج۲، ص۳۷۹

۲۱- ایضاً، ج۲، ص۳۸۳

۲۲- ابن امیر الحاج، التقریر و التحبیر، بیروت، داراحیاء العلوم الحدیثة، ج۲، ص۳۱۸

۲۳- بہاری، محب اللہ، مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت فی ذیل المستصفی، بیروت، داراحیاء العلوم الحدیثة، ج۲، ص۱۴۵

۲۴- انورشاہ کاشمیری، فیض الباری، طبع قاہرہ ۱۹۳۸ء، ج۱، ص۴۷۔۴۸

۲۵- نسفی، المنار متن نور الانوار، بیروت، دارالکتب العلمیة، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م، ج۱، ص۳۰ تا ۳۱

۲۶- مرغینانی، الھدایہ، ملتان، مکتبہ شرکۃ علمیہ، بحث وجوب فاتحہ ج۱، ص۱۰۴

۲۷- سنن دارمی، طبع بیروت ۱۹۸۷ء، ج۱، ص۷۰۔ و مسند احمد، طبع دارصادر بیروت، ج۲، ص۱۶۶

۲۸- سنن دارمی، طبع بیروت ۱۹۸۷ء، ج۱، ص۷۱ ونحوہ فی النسائی، باب القضاء باتفاق اھل العلم

۲۹- الاصول للبزدوی، طبع کراچی، ص۲۴۵

۳۰- مجمع الزوائد، باب الاجماع، ج۱، ص۱۷۸

۳۱- مناقب الامام الاعظم، ج۲، ص۱۳۳

۳۲- انوار الباری شرح صحیح البخاری، طبع ملتان، ج۱، ص۱۷۱ تا ۲۲۱

۳۳- مناقب الامام الاعظم، فی ذیل المناقب للمکی، کوئٹہ، ۱۴۰۷ھ، ج۲ ص۱۲۵

۳۴- اصول السرخسی، طبع ریاض، ج۲، ص۱۰۵

۳۵- اصول السرخسی، طبع ریاض، ج۲، ص۱۰۸، ونحوہ فی التلویح والتوضیح

۳۶- امام شافعی، الرسالة، طبع مصطفیٰ البابی، مصر ۱۹۶۹ء، ص۲۶۱

۳۷- ابن القیم، اعلام الموقعین، ج۴، ص۱۲۰ تا ۱۵۶

۳۸- جصاص، الفصول فی الاصول، طبع مکتبہ علمیہ لاہور، ص۶۴ تا ۹۹

۳۹- اصول السرخسی، طبع ریاض، ج۲، ص۱۱۸

۴۰- بیضاوی، منہاج الوصول برحاشیہ شرح تحریر الاصول، ج۳، ص۲۸۴

☆ لا اجتہاد عند ظہور النص ☆ نص کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۱- شعرانی، المیزان الکبریٰ، ج۱،ص۶۵

۴۲- موفق مکی، مناقب الامام الاعظم، ج۱،ص۸۱

۴۳- شعرانی، المیزان الکبری، ج۱،ص۳۸

۴۴- عبدالعلی، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت برحاشیہ المستصفیٰ بحث اجتہاد، ج۲،ص ۳۹۹

۴۵- شہرستانی، الملل والنحل، طبع مصطفیٰ البابی مصر، ج۱،ص۱۹۹

۴۶- شہرستانی، الملل و النحل، طبع مصطفیٰ البابی، مصر، ج۱،ص۱۰۵

۴۷- شاطبی، الموافقات، طبع بیروت، ج۴،ص۱۰۵

We Appreciate

The Islamic Cultural

& Educational Association

Bradford. U.K.

☆☆☆☆☆

A group of Young Muslims
Working for the sake of Islam

May Allah give you every Succcess.

(From: Editorial Board Majallah Fiqh-e-Islami)

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

© rasailojaraid.com